

مفکر اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ

اور

تصوف و سلوک

شمس الحق ندوی

مدیر مسئول پندرہ روزہ 'تعمیر حیات'

واستاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

## طبع اول

شعبان ۱۴۳۵ھ - جون ۲۰۱۴ء  
 نام کتاب : مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ  
 اور تصوف و سلوک

مؤلف : مولانا شمس الحق ندوی

صفحات : ۷۲

تعداد : ۲۰۰۰

طباعت : آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد لکھنؤ

قیمت : ۳۵ روپے

ناشر : نیاز احمد اعظمی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

### ملنے کے پتے :

☆ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبہ شباب، شباب مارکیٹ، روہ روڈ، لکھنؤ

# فہرست عناوین

| نمبر شمار | عناوین  | صفحات |
|-----------|---|-------|
| ۱         | مقدمہ (از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)                           | ۵     |
| ۲         | پیش لفظ (از: مؤلف کتاب)   | ۸     |
| ۳         | مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ<br>تصوف کالب لباب اور خلاصہ | ۱۲    |
| ۴         | صوفیائے کرام کا کارنامہ   | ۱۳    |
| ۵         | تصوف سے بدگمانی کی وجہ  | ۱۹    |
| ۶         | حضرتؒ کے تصوف کے مخفی رہنے کا سبب   | ۱۹    |
| ۷         | پہلا مدرسہ اور پہلی خانقاہ  | ۲۰    |
| ۸         | والدہ ماجدہ کا حال  | ۲۱    |

|    |  |    |
|----|--|----|
| ۲۲ | والدہ ماجدہ کی تربیت   | ۹  |
| ۳۱ | بے نفسی و اخفائے حال   | ۱۰ |
| ۳۳ | سحر خیزی و ذکر و مراقبہ  | ۱۱ |
| ۳۷ | ابتلاء و آزمائش  | ۱۲ |
| ۳۹ | تصوف تعطل اور زندگی سے فرار نہیں سکھاتا  | ۱۳ |
| ۴۹ | مولانا احمد علی لاہوریؒ کی نظر میں قدر و منزلت                                   | ۱۴ |
| ۴۹ | حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوریؒ کی محبت کی مثال                                       | ۱۵ |
| ۵۰ | مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کا ارشاد   | ۱۶ |
| ۵۰ | مولانا محمد منظور نعمانیؒ کا ارشاد   | ۱۷ |
| ۵۱ | حضرتؒ کے وسعت فکر و سلوک کا سراپا حضرت<br>مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی زبان سے | ۱۸ |
| ۵۶ | سلوک کی اصل روح  | ۱۹ |
| ۵۷ | بیعت لینے کا طریقہ   | ۲۰ |
| ۵۹ | حضرت مولاناؒ کی خاص نصیحت بلکہ وصیت  | ۲۱ |
| ۶۱ | تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام  | ۲۲ |

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين  
خاتم النبيين سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه الغر الميامين، ومن  
تبعهم إلى يوم الدين، ودعا بدعوتهم أجمعين، أما بعد:

عزیز گرامی مولوی شمس الحق ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل  
کرنے کے زمانے میں اور پھر تدریس کے زمانے میں دینی زندگی سنوارنے کا  
مزاج رکھتے رہے ہیں، اور ربانیت اور تصوف کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے  
اہل تصوف سے قرب بھی ان کو حاصل رہا، اور انہوں نے تصوف کی خصوصیت و  
اہمیت کو ان کے ملفوظات اور طریقہ کار کو دیکھ کر بھی سمجھا، انہوں نے حضرت

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی دینی فکر کو صرف سمجھا ہی نہیں، بلکہ ان کے سایہ میں تربیت پائی تھی، حضرت مولاناؒ کا تصوف کے سلسلہ میں نقطہ نظر جامعیت کا تھا کہ زندگی کو ایک دوسرے سے مربوط بھی ہونا چاہیے اور جو تصوف کا مقصد ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے طریقہ کار سنت کے زیادہ سے زیادہ مطابق ہونا چاہیے، حضرت مولاناؒ کو جن مشائخ تصوف کی صحبتوں میں رہنا ہوا، وہ صحیح تصوف کے آفتاب و ماہتاب تھے، وہاں سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا، وہ تصوف کو اسلامی زندگی میں ایک الگ سے اضافہ کی شکل نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسلام اور تصوف کو ایک ہی چیز سمجھتے تھے، اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب تصوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے دائرہ سے باہر نہ ہو کہ وہ مستقل ایک مذہبی چیز بن جائے۔

مسلمانوں کی زندگی میں جب دنیا اور معاش کی محبت کا ماحول اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ آخرت کا تصور اور اس کا خوف دنیاوی فکر کے نیچے دبا جا رہا تھا، دینی مزاج کو ابھارنے اور اس کو صحیح مقام پر لانے کے لیے ربانیت و للہیت کو پیدا کرنے کے وہ طریقے اختیار کیے گئے، جن سے صحابہ کرامؓ کے ایمان و تقویٰ کے مطابق حال بن جائے، یہ مقصود تھا، اس کے لیے طریقہ اپنے اپنے تجربہ اور انداز سے اختیار کیا تھا، بعد کے عہد میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے، جو تصوف کے دعوے دار تھے، لیکن اس کی ربانی خصوصیت اور سنت کی مطابقت کی طرف

توجہ نہ ہونے کی وجہ سے تصوف کو ایک مستقل مذہب کی شکل دے دی، اس سے تصوف بدنام بھی ہوا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا تعلق شروع سے جس تصوف اور جن اہل تصوف سے ہوا، وہ سنت کے مقام بلند پر فائز اور اس کے امام تھے، اور اس کے لیے ایک اچھی مثال تھے، ان کی تربیت اور صحبت سے تصوف کا صحیح مقصد اور فائدہ اور طریقہ حاصل ہوتا تھا، مولاناؒ کو ان میں سے کئی حضرات کی طرف سے اجازت حاصل تھی، اور مولاناؒ اسی کے مطابق نقطہ نظر اور عمل رکھتے تھے، مولاناؒ کا تصوف کیا تھا؟ اس کو عزیز گرامی مولوی شمس الحق صاحب ندوی نے جو دیکھا اور سمجھا اس کو اپنے چند مضامین میں پیش کیا ہے، اس سے حضرت مولاناؒ کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے، یہ مضامین اس کتابچہ میں جمع کر کے لائق اشاعت کر دیے گئے ہیں، امید ہے کہ یہ مفید ثابت ہوں گے۔

محمد رابع حسنی ندوی  
ندوة العلماء، لکھنؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين و الصلوة والسلام على  
سيد المرسلين و امام المتقين محمد بن عبد الله الأمين  
الذي أرسله الله رحمة للعالمين ، أما بعد:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے  
بارے میں مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: ”وہ موہوب من اللہ ہیں“،  
ایک سوال کے جواب میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت کے متعلق فرمایا تھا  
کہ: ”وہ بڑے عالم ہیں“۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اپنے فضل سے علم و ادب، تصنیف و تالیف،



وسعت فکر و نظر، قومی و ملی درد، دینی غیرت و حمیت اور پورے عالم انسانیت کے لیے تڑپ و بے کلی کا جو مقام بلند عطا فرمایا تھا، وہ اظہر من الشمس ہے اور لکھنے والوں نے عقیدت و محبت میں ڈوب کر حضرتؒ کے خداداد فضل و کمال کے ہر پہلو پر لکھا ہے اور برابر لکھا جا رہا ہے، ڈاکٹریٹ کیا جا رہا ہے، تحقیق و ریسرچ کے ادارے قائم ہو رہے ہیں لیکن حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص و روحانیت اور فنائیت کا جو اونچا رتبہ عطا فرمایا تھا جس کو کئی صدیوں سے خاص اصطلاح میں ”تصوف“ کا نام دیا جاتا ہے، اس کو حضرتؒ کی سادگی، انخفاء حال اور انا کی فنا نے اتنا چھپا دیا تھا کہ اہل قلوب کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جو تصوف کی خاص وضع قطع ہی کو سند مشیخت سمجھتے ہیں، انہوں نے حضرت کے اس اصلی جوہر کو نہیں سمجھا اور نہ حضرت کو قابل التفات جانا۔

راقم سطور جس کو ۱۹۵۴ء سے جو نوعمری کا زمانہ تھا، حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہا، خیال ہوا کہ حضرتؒ کے اس جوہر اصلی پر کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کرے جو حضرت کے دیگر سارے کمالات و فضائل کا سرچشمہ ہے۔

توفیق ایزدی نے رہنمائی کی، مضمون لکھا اور ”تعمیر حیات“ میں کئی قسطوں میں شائع ہوا اور پسند کیا گیا، خیال آیا کہ اس شرف و سعادت کو کتابچہ کی شکل میں کیوں نہ لایا جائے کہ اس سے بہت سے بندگان خدا کو نہ صرف یہ کہ

حضرتؒ کے مرتبہ سے واقفیت ہوگی بلکہ اس ضمن میں جو حقائق اور اس راہ کے پیشواؤں کے ذریعہ دین کی جو حفاظت ہوئی اور دنیا کے جھمیلوں سے تھکے ہارے قافلوں کو جو جائے پناہ ملی ہے، وہ سامنے آجائے کہ آج کے پرفتن دور میں بھی دنیا کے جھمیلوں سے پریشان و مایوس لوگوں کو ان پناہ گاہوں کی طرف آنے کی راہ دکھائی دے۔

اس پیش لفظ میں ہم صرف مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم دارالمصنفین نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ فرماتے ہیں: ”ایک بار نہیں شاید دو ایک بار اور اشارتا و کنایتاً نہیں منہ پھوڑ کر پوچھا کہ حضرت شاندار مصطلحات تصوف کا مفہوم کچھ تو ہم نیاز مندوں پر کھول لیں (تنازل ستہ) کے چہرہ سے نقاب ذرا تو سرکائیے (توجہ باطن) سے قلب کو گرمائیے، کچھ جواب نہ ملا، تجاہل سا کر کے ٹال گئے، ایسا تجاہل جو دانستہ تغافل سے کم نہ تھا۔“

شاہ صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے ایک طویل خط کے جواب میں جس میں حضرت شیخؒ نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے بیعت ہونے کو فرمایا تھا، لکھا: ”علی میاں بلاشبہ اس کے اہل ہیں، مجھ کو ان سے محبت ہی نہیں بلکہ میرے دل میں ان کی بڑی وقعت ہے، ان کی مثالیں اس

دور میں کم ہی ہوں گی، میں نے تو بارہا ان سے کہا ہے ۔  
 ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ  
 شنیدہ کے بود مانند دیدہ

لیکن میرے ان کے درمیان ایسے عزیزانہ تعلقات ہیں کہ میں ان سے  
 فائدہ نہ اٹھا سکوں گا، نہ وہ خود اس کے لیے آمادہ ہوں گے، اس لیے میری نگاہ  
 آپ پر پڑی ہے، اور اس رہنمائی کا سہرا بھی انھیں کے سر ہے۔“  
 اخیر میں بارگاہ ایزدی میں عرض ہے کہ ۔

دل کو نصیب ہوگداز، جاں کو عطا ہو سوز و ساز  
 ہے یہ دعا بصد نیاز درگہ بے نیاز میں  
 دل جو ملا سیاہ کار آنکھ عطا ہو اشکبار  
 دھوئے جو دل کو بار بار خلوت خاص راز میں

آمین یارب العالمین۔

## مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ - تصوف و سلوک

### تصوف کا لب لباب اور خلاصہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ حضرتؒ کے تزکیہ و احسان پر کچھ لکھا جائے، حضرتؒ ہی کی زبان سے وہ روح تصوف جو حدیث جبرئیل میں بیان کی گئی، اس کو پیش کر دیا جائے۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ: ”تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہتے ہیں بغیر کسی نیت کے بغیر کسی احتساب کے، وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں۔“

حضرتؒ نے اپنی کتاب ”سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ“ میں ”تصوف“ سے متعلق بڑی مختصر و معنی خیز بات لکھی ہے جو حدیث جبرئیل ہی کا عکس ہے، جس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

”رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کے اس سوال کے جواب میں کہ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت شیخ نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا، صرف تصحیح نیت اس کے سوا کچھ نہیں جس کی ابتداء ”إنما الأعمال بالنیات“ سے ہوتی ہے اور انتہا ”أن تعبد الله كأنك تراه“ ہے، وہ سکتے میں آگئے اور کہا کہ اس کو تو میں نے سوچا ہی نہیں ”إنما الأعمال بالنیات“ سارے تصوف کا مبداء ہے اور ”أن تعبد الله كأنك تراه“ سارے تصوف کا منتہا ہے، اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہی خواہی از و غافل مشو حافظ

متى ما تلق من تهوى دع الدنيا وأمهلها

شیخ نے فرمایا: مولوی صاحب سارے پاڑ اسی کے لیے نیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی اسی کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح یہ دولت عطا کر دے، اس کو کہیں کسی کی ضرورت نہیں۔“

(سوانح حضرت شیخ الحدیثؒ: ص/۵۶، ۵۷)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اہل ادراک و تصوف اور ان کے ملفوظات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ان حضرات کے یہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ صرف

نکتے اور مویشگافیاں نہیں ہیں، وہ ذہانت کا نتیجہ ہیں، درحقیقت ذہانت کے چار درجے ہیں اور جو ذہانت کا آخری درجہ ہے وہ روح کی ذہانت ہے، یہ روح کی ذہانت ایسی لطیف ہے کہ اس کا بیان الفاظ میں مشکل ہے، جہاں دماغ کے ذہانت کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں (اور اس کے پہلے زبان کی ذہانت کا درجہ ہے) اور جہاں قلب کی ذہانت کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے روح کی ذہانت کی سرحد شروع ہوتی ہے اور وہ اللہ کے خاص بندوں کو حاصل ہوتی ہے جن سے اللہ اپنے بندوں کی تربیت کا کام لیتے ہیں۔“

(مفکر اسلام، رسالہ: اصلاح و استفادہ سے کوئی مستغنی نہیں)

### صوفیائے کرام کا کارنامہ

اور ایک موقع پر فرماتے ہیں: ”جن لوگوں نے اپنی جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام سکھایا اور لوگوں کی تربیت کی ان کے کام کی تحقیر نہ کی جائے، یہ کام انہوں نے کیا جن کو عرف عام میں صوفیائے کرام کہتے ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ صوفیائے کرام نے کیا خدمات انجام دی ہیں؟ انہوں نے اسلامی معاشرہ کو زوال سے بچایا، اس کا میرے پاس ثبوت ہے، انہوں نے ایسا بنیادی کام کیا کہ اگر وہ نہ کرتے تو ماڈرنیت کا یہ سیلاب لوگوں کو بہا کر لے جاتا اور تنکے کی طرح امت اسلامیہ بہتی، انہی کی وجہ سے لوگ رکے ہوئے تھے اور ہوس و نفس پرستی کا بازار گرم نہیں ہونے پاتا تھا، اور جو کوئی اس کا شکار ہو جاتا تھا تو فوراً اس میں احساس پیدا ہوتا تھا کہ ہم

غلط کام کر رہے ہیں، ان کے پاس آتا تھا اور وہ روتا تھا، استغفار کرتا تھا، پھر یہ صوفیاء و مشائخ ان کو کام کے آدمی بناتے تھے اور اپنی جگہ پر فٹ کرتے تھے، تاریخ ہماری ناقص ہے، میں نے ”تاریخ دعوت و عزیمت“ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ نقص تاریخ نویسی کا ہے اسلام کا نہیں، تاریخ اس طرح لکھی گئی کہ سرکارِ دربار کے گرد گھومتی رہتی ہے اس میں ان اصلاحی کوششوں کا پورا جائزہ نہیں لیا گیا۔“

(نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں)

ایک جگہ فرماتے ہیں: صرف ادب، فکر و نظر اور معلومات و مطالعہ ہی سب کچھ نہیں بلکہ اور کیفیات و حالات بھی ہیں، جو محض ذہانت، مطالعہ اور ضوابط سے نہیں پیدا ہوتے یعنی یقین، اخلاص، ایمان و احتساب، شدت تعلق مع اللہ، ذوقِ دعا، درد و محبت جس طرح سے احکام و ضوابط کا سلسلہ محفوظ و متواتر چلا آ رہا ہے، اسی طرح یہ احوال و کیفیات یکسر ضائع و ناپید نہیں ہو گئے ہیں اور جس طرح پہلی چیز کے لیے وسائل و اساتذہٴ فن اور نظام ہے، اسی طرح دوسری چیز کے مآخذ و ذرائع، اس کے لیے بھی اہتمام و طلب کی ضرورت ہے، (ان) فیاض دل اور فیاض روح درویشوں اور انسانیت کے چارہ سازوں نے زندگی کے تھکے ہارے مسافروں اور ماڈیٹ کے تقاضوں اور مطالبوں سے پامال کیے ہوئے انسانوں کے لیے جن کو اپنے دل کی زندگی دم توڑتی اور روح کا شعلہ بجھتا

نظر آتا تھا، ایسی پناہ گاہیں اور کارواں سرائیں تعمیر کی تھیں جہاں کچھ دن ٹھہر کر دل کے چراغ کی لو، نیاروغن، اور روشنی حاصل کرتی، افسردہ قویٰ میں تازگی اور روح میں جلا پیدا ہوتا، غفلت و معاصی کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے پل صراط پر چلنے کا عزم اور قوت پیدا ہوتی۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: ۱۰۷)

”مگر لفظ تصوف اور بعد کے لوازم بہت سی طبیعتوں کے لیے موجب بعد اور وحشت بن گئے، لیکن جو شخص اس شعبہ کی روح کے حاملین اور فن کے مجتہدین کو دیکھتا ہے، اس کے اندر یہ اذعان پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی اصل روح شریعت کا عین مطلوب اور نبوت کی میراث ہے، وہ آسانی سے اصل وزائد میں امتیاز کر لیتا ہے۔“

(پرانے چراغ: ص/ ۳۳۶، ۳۳۷)

تصوف کی اس حقیقت کو حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ میں زیادہ نمایاں طور پر دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔

سیرت سید احمد شہیدؒ کی دوسری جلد میں (ص/ ۵۴۹) پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سید صاحب کے طریقہ کی خصوصیات کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

”پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ کے یہاں آپ کا سلسلہ سب سے زیادہ مقبول تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ان دیار



مشرقیہ میں اسی پر منحصر تھی، چنانچہ حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ و سالک اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت مجاز تھے اور آپ کے سیکڑوں ہزاروں مرید تھے، فرماتے تھے: ”مجھے کسی سے سلوک میں رجوع کرنے کی ضرورت نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں پاتا ہوں کہ میں سید صاحب سے بیعت ہو جاؤں۔“

(روایت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی)

”دوسری خصوصیت مشائخ و علماء میں مقبولیت ہے، چنانچہ ہندوستان کا کوئی خانوادہ اور کوئی سلسلہ نہیں ہے، جس کے اکابر نے سید صاحب کو اپنا بڑا نہ مانا ہو اور آپ سے استفادہ نہ کیا ہو، سلسلہ چشتیہ کے دو نامور شیخ حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی اور آپ کے خلیفہ میاں جی نور محمد صاحب جھنجنا نوی آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کے رنگ میں رنگ گئے، حاجی صاحب بیعت کے بعد ہمیشہ خدمت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔“

اس سلسلہ کے دوسرے حضرات مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور ان کی جماعت کا تعلق تو آپ سے ایسا تھا جیسا کہ عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی حیات میں آپ کے خاندان کے اہل علم و فضل نے آپ سے بیعت کی، مولانا اسماعیل صاحب، مولانا عبدالحی

صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب پھلتی کے علاوہ شاہ اسحق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب نے استفادہ و باطنی تعلیم حاصل کی اس کے علاوہ تمام مشائخ و علماء آپ کی عظمت و مقبولیت، آپ کے طریقہ کی رفعت و فضیلت، آپ کی محبت اور آپ سے عقیدت پر متفق العقیدہ و متفق اللسان ہیں، آپ کی محبت اہل سنت اور صحیح الخیال جماعت کا شعار اور علامت بن گئی ہے۔

آپ کا طرز عمل اور آپ کا مسلک اتنا واضح، نمایاں اور مشہور تھا کہ آپ سے تعلق و انتساب صاف صاف تو حید و سنت سے محبت اور شرک و بدعت سے نفرت کی دلیل تھی، اور آپ سے اور آپ کی جماعت سے عداوت و انکار اکثر حالات میں اس بات کی دلیل اور علامت ہوا کرتا تھا کہ تو حید و سنت کی طرف سے دل میں کچھ کھوٹ اور ذہن میں کچھ الجھنیں ہیں۔“

حضرت تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ”سید صاحب“ تو حید و رسالت و اتباع سنت پر بیعت لیتے تھے اور بس۔ سید صاحب اتباع سنت کے لیے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے، مولانا عبدالحی صاحب سے ایک دن فرمایا اگر کوئی امر خلاف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا، مولانا نے فرمایا کہ حضرت! جب کوئی خلاف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں؟ یعنی ہمراہی چھوڑ دوں گا۔

## تصوف سے بدگمانی کی وجہ

ان پاکیزہ تعلیمات کو فاسد العقیدہ، پیشہ ور اور جاہل صوفیوں سے نقصان پہنچا ہے، فرماتے ہیں: ”غلط اصطلاحات و تشریحات کے علاوہ دوسری چیز جس نے اس دینی حقیقت کو اور زیادہ غبار آلود کر دیا وہ پیشہ ور اور جاہ طلب، حقیقت فروش اور الحاد شعار و فاسد العقیدہ نام نہاد صوفی ہیں، جنہوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے، آزادی و بے قیدی کی تبلیغ کرنے کے لیے تصوف کو آلہ کار بنایا اور اس کے محافظ و علمبردار بن کر لوگوں کے سامنے آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل غیرت اور اہل حمیت مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ان سے بدظن ہو گئی۔“

(مفکر اسلام: بحوالہ تزکیہ و احسان: ص/۱۸)

## حضرت کے تصوف کے مخفی رہنے کا سبب

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تزکیہ و احسان کا پہلو ان کے علمی، ادبی، تاریخی اور امت مسلمہ کی فکر و اصلاح کے سلسلہ میں ملک و بیرون ملک کے اسفار اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف یورپ کی شاطرانہ سازشوں سے نئی نسل خصوصاً عرب نوجوانوں کو بچانے کی تڑپ و بے کلی کے پردہ میں ایسا چھپا ہوا تھا کہ خاصان خدا کے علاوہ کم لوگوں نے اس کو سمجھا، مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں کہ: ”وہ موہوب من اللہ ہیں“۔ حضرت کی ذات میں شریعت و

طریقت دونوں چیزیں اس طرح جمع ہو گئی تھیں کہ بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے ۔  
 درکف جام شریعت درکف سندان عشق  
 ہر ہوس نا کے نہ داند جام و سنداں باختن  
 جگر مرحوم نے اس کو اس طرح سے ادا کیا ہے ۔  
 عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے  
 عشق ہے کارے شیشہ و آہن

### پہلا مدرسہ اور پہلی خانقاہ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی زندگی کی ذیل کی  
 سطریں نقل کرتے وقت آنکھیں اسی طرح اشکبار ہو گئیں جس طرح نو دس سال  
 کے بچے کی تعزیت کرنے والے اونچے پائے کے لوگوں کی آنکھیں اشکبار تھیں،  
 تحریر فرماتے ہیں:

”۱۶/ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۳ فروری ۱۹۲۳ء جمعہ کا دن تھا کہ لکھنؤ  
 کا یہ دور اور عمر بلکہ اپنے چھوٹے سے خاندان کی تاریخ کا زریں ورق اچانک پلٹ  
 گیا، اور گھر کی بساط ہی پلٹ گئی، والد صاحب مرحوم نے چند گھنٹوں کی علالت کے  
 بعد جان جان آفریں کے سپرد کری، اس کو تقدیری بات کہئے کہ اس وقت ان کے  
 پاس تنہا میں ہی نو یا دس برس کا بچہ تھا، والد صاحب نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے  
 سترے منگوائے تھے! (غالباً سکین و فرحت حاصل کرنے کے لیے) جب

سنترے آئے تو بجائے خود تناول فرمانے کے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کو دے دو، میری خوش قسمتی کہ میں نے بغیر کسی ہدایت اور ان کے اشارے کے ان کے پاؤں دا بنے شروع کر دیے، ان کا ذکر قلبی جاری تھا، بند ہونے پر ہنوں کو تشویش ہوئی، میرے استاذ مولوی محمود علی صاحب جمعہ کی چھٹی ختم کر کے جو وہ اپنے گھر جھوائی ٹولہ میں گزارتے تھے، واپس آ گئے تھے اور ایک حکیم اور والد صاحب کے ایک دوست بھی آ گئے اور اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ اس جہان فانی سے رحلت فرما چکے ہیں، یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں دوڑ گئی اور محبین و معتقدین جوق در جوق آنے لگے، وہ نیچے مطب میں بیٹھے تھے اور ان کی ہمدردی اور دل جوئی کا مرکز ایک کم سن بچہ تھا، جو یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ دفعتاً یہ کیا ہو گیا، یہ تعزیت کرنے والے کس مرتبے اور حیثیت کے لوگ ہیں ان کا کس طرح جواب دینا چاہئے؟ کبھی کوئی شفقت سے اپنے پاس بٹھالیتا، کبھی کوئی سینہ سے لگاتا، کوئی سر پر محبت کا ہاتھ پھیرتا، آنکھیں اشکبار اور دل مضطرب تھے۔

### والدہ ماجدہ کا حال

میرے چچا مولوی سید عزیز الرحمن صاحب کو کچھ چوٹ آ گئی تھی، والد صاحب نے والدہ صاحبہ کو ان کی عیادت کے لیے ان کے یہاں بھیجا تھا، اسی اثنا میں وہ حادثہ جائزہ پیش آ گیا جس کا اوپر ذکر ہوا۔  
میں والدہ صاحبہ کو لینے گیا، جب آئیں تو معلوم ہوا کہ ان کے سر کا وہ

تاج جس میں زہد و تقویٰ، بحث و تحقیق، علم و ادب، صلح رحمی و اقربا پروری، محبت و دوست نوازی، جسمانی و روحانی طبابت، خلق حسن اور ندوہ جیسے ادارہ کی نظامت کے موتی ٹنکے تھے، ان کے سر سے اتر چکا ہے، سجدہ میں گر گئیں جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا، اس صدمہ جانکاہ کا حال وہ خود اس طرح بیان کرتی ہیں:

”جب خدمت کی مدت ختم ہونے کو آئی تو اس مالک حقیقی نے میرے حق میں بہتر سمجھ کر قسمت کا بہانہ پیش کر دیا، قسمت نے حکم ایزدی پا کر فورا ہی فیصلہ کر دیا، میں اپنے مالک حقیقی کی رضا پر راضی ہو گئی، مگر یہ غم جدائی ایسا نہ تھا کہ میں برداشت کر لیتی، یہ بھی اس کی رحمت اور حکمت تھی کہ مجھے اپنی خوشی پر راضی رکھا ورنہ جو بھی حالت ہو جاتی کم تھی، ایسے مونس و رفیق کا ایک بیک نظر سے غائب ہو جانا قیامت سے کم نہ تھا، میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ دل پھر دل کی صورت میں کیونکر رہ گیا، بس یہ کہنا چاہیے کہ یہ حکم میرے لیے ہلاکت و مصیبت نہیں تھا بلکہ سراسر رحمت اور ذریعہ عنایت تھا، بجائے ہلاکت و بربادی کے مجھے اپنے سایہ عافیت میں لے لیا، اور میرا سچا مونس و غمخوار اور مددگار ہو کر ہر موقع پر ساتھ دینے لگا، سبحان اللہ کیا شان رحمت ہے اس کی، اٹھی غم کی گھٹا اور رحمت بن کر برس گئی جس سے تمام کھیتی سرسبز و شاداب ہو گئی۔“

### والدہ ماجدہ کی تربیت

والد صاحب کا سایہ عافیت سر سے اٹھ جانے کے بعد ان کی شفقت و

محبت نے تحلیل ہو کر شفقت مادری کو دو چند کر دیا تھا، لیکن اس کے باوجود حضرت کی تعلیم و تربیت میں وہ شفقت حارج نہ ہوتی تھی، چنانچہ حضرت خود تحریر فرماتے ہیں:

مجھے قرآن مجید کی بڑی سورتیں انہوں نے اسی زمانے میں (بچپن ہی میں) یاد کرائیں باوجود اس کے کہ ان کی شفقت خاندان میں ضرب المثل تھی، اور والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے وہ میری دلداری اور ایک حد تک ناز برداری قدرتا دوسری ماؤں سے زیادہ کرتی تھیں، لیکن دو باتوں میں بہت سخت تھیں، ایک نماز کے بارے میں مطلقاً تساہل نہیں برتی تھیں، میں عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو گیا، خواہ کیسی ہی گہری نیند ہو اٹھا کر نماز پڑھواتیں اور نماز پڑھے بغیر کبھی نہ سونے دیتیں، اسی طرح فجر کی نماز کے وقت جگادیتیں اور مسجد بھیجتیں اور پھر قرآن مجید کی تلاوت کے لیے بٹھادیتیں، دوسری بات جس میں وہ قطعاً رعایت نہ کرتیں، اور اس میں ان کی غیر معمولی محبت و شفقت حارج نہ ہوتی تھی، گھر میں اگر میں خادم کے لڑکے یا کام کاج کرنے والی کے غریب بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی و نا انصافی کرتا یا حقارت و غرور کے ساتھ پیش آتا تو وہ نہ صرف مجھ سے معافی منگواتیں بلکہ ہاتھ تک جڑواتیں، اس میں مجھے خواہ کتنی ہی ذلت و خفت محسوس ہوتی مگر وہ اس کے بغیر نہ مانتیں، اس کا مجھے اپنی زندگی میں بہت فائدہ پہنچا اور ظلم و تکبر اور غرور سے ڈر معلوم ہونے لگا، اور دل آزاری اور دوسروں کی تذلیل کو کبیرہ گناہ سمجھنے لگا اس کی وجہ سے مجھے اپنی غلطی کا

اقرار کر لینا ہمیشہ آسان معلوم ہوا۔

(ذکر خیر: ص/ ۴۷، ۴۸)

حضرت شاہ سید ضیاء النبیؒ جیسے ولی کامل، قوی النسبت بزرگ کی صاحبزادی جو حقیقتاً خیر النساء تھیں جس کا ثبوت نہایت اندوہناک غم کے موقع پر صبر و ہمت اور رضا برضائے مولیٰ کا انہوں نے پیش کیا، اس سے ان کے نہایت بلند مرتبہ ہونے کا پتہ چلتا ہے جو بچہ ایسی ولیہ کی محبت و شفقت اور تعلیم و تربیت میں پلے بڑھے گا اور پروان چڑھے گا اور اس کے قلب مزکی و مصفیٰ کے گرد اگر والدہ ماجدہ کی پرسوز دعاؤں کا ہالہ بھی ہوگا، اس کے تزکیہ و احسان کی تصویر کشی کیونکر کی جاسکتی ہے، وہ اپنے جگر پارہ کے لیے کس طرح اپنے رب کریم سے مچل مچل کر دعا کرتی تھیں، اس کا کچھ اندازہ ان کی مناجاتوں کے مجموعہ ”کلید باب رحمت“ سے لگانا آسان ہوگا، چند دعائیہ اشعار کا یہاں نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

رہے باقی جہاں میں علی  
 رہے تیرے حفظ و امان میں علی  
 ہو آباد کون و مکاں میں علی  
 ہو سر سبز باغ جہاں میں علی



علی سے ہو روشن چراغ جہاں

علی سے ہو سر سبز باغ جہاں

ایک شعر میں فرماتی ہیں ۔

علی کو قرب خاص الخاص اپنا مرحمت کر دے

تمنا سے زیادہ ان کو عالی مرتبت کر دے

اوپر مچل مچل کر دعا کا لفظ آیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس

کیفیت میں ڈوبی ہوئی مناجات کے چند اشعار نذر ناظرین کر دیئے جائیں

جن کا حضرت کی مقبولیت و محبوبیت، تزکیہ و احسان کے مقام بلند پر پہنچنے میں

یقیناً بڑا دخل ہے، فرماتی ہیں ۔

جو مانگا ہے جو مانگیں گے خدا سے ہم وہی لیں گے

مچل جائیں گے روئیں گے کہیں گے ہم یہی لیں گے

نہیں گو ہم کسی قابل مگر تیری عنایت ہے

جو تیری شان کے لائق ہے، ہم تجھ سے وہی لیں گے

کیا تو نے طلب ہم کو اٹھیں گے ہم نہ اس در سے

نہ جائیں گے نہ جائیں گے ابھی لیں گے وہی لیں گے

مزید برآں فرشتہ صفت بڑے بھائی حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ

اللہ علیہ کی شفقت و محبت جس میں شفقت پدرانہ بھی سماگئی تھی، ان کی تعلیم و تربیت میں مزید چار چاند لگائے، خانقاہوں میں بزرگوں کی بڑی توجہ اس پر ہوتی ہے کہ اعجاب بالنفس، انانیت و خود بینی نکل جائے، والدہ ماجدہ نے بچپن ہی سے اس مرض کو جس طرح نکالا تھا اس کا ذکر اوپر گذر چکا، بھائی صاحب بھی مطالعہ و تعلیم کے ساتھ اس کا پورا اہتمام فرماتے تھے، اتنا اہتمام کہ ایک دن گھر کے ہم عمر بچے تفریحی باتوں میں لگے ہوئے تھے، ذکر ایک غیر مسلم ڈاکٹر صاحب کا چل نکلا جن کے بجل کا تذکرہ ہونے لگا، ڈاکٹر صاحب کا ادھر سے گذر ہوا تو حضرت سے مخاطب ہو کر فرمایا تم کچھ نہ کہو، بچپن میں تم بیمار ہوئے تو انہیں کے علاج سے تمہیں فائدہ ہوا تھا، کتنی لطیف تربیت تھی اس بات کی کہ محسن کے احسان کو برابر یاد رکھو، اس کی قدر کرو، غیبت سے بہت دور رہو۔

خانقاہوں میں مشائخ زیر تربیت مسترشدین کو نفس کشی کے لیے کبھی کبھی بظاہر بلاوجہ تشبیہ فرماتے ہیں، جس کی ان حضرات کے یہاں عجیب عجیب مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت کے ساتھ نو عمری ہی میں دوران تعلیم یہ مرحلہ اس طرح طے ہوا کہ محض غلط فہمی کی بنیاد پر حضرت کے عربی کے استاذ خلیل عرب صاحب نے جن کے مزاج میں کچھ حدت تھی، سخت زد و کوب کیا مگر حضرت نے اُف تک نہ کیا، بلکہ اس کی خبر والدہ ماجدہ کو پہنچی تو سن کر متاثر ہوئیں لیکن جب حضرت

رائے بریلی گئے اور والدہ ماجدہ نے پوچھا تو ذرا شکایت نہ کی بلکہ استاذ کی طرف سے دفاع کیا۔

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ دورانِ تعلیم و مطالعہ، تزکیہ و احسان کے مراحل طے کرنے کے لیے اہل اللہ کی خدمت میں بھی بھیجتے رہے، رسمی تعلیم مکمل ہونے کے بعد مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوریؒ کے پاس بھیجا جو فضلاء مدارس کو تفسیر اور حجۃ اللہ البالغۃ کا درس دیا کرتے تھے، درس کے ساتھ ساتھ مولانا کا زہد و استغنا اس درجہ کو پہنچا ہوا تھا کہ بقول حضرت کے: مدرسہ میں کھانا پک رہا ہوتا تھا اور مولاناؒ کے گھر میں فاقہ ہوتا تھا، مولاناؒ کے زہد و تقشف، ورع و احتیاط اور قناعت کی تفصیلات تو بہت ہیں، بس ایک دو باتوں کا ذکر اس لیے کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و استغنا پر اس کا اثر بہت نمایاں رہا، حضرت سے ان کی مجلس میں کئی بار سنا کہ مولانا احمد علی صاحبؒ جب کہیں وعظ و تقریر کے لیے جاتے تو اپنے کرائے سے جاتے اور ساتھ میں کھانے کی کوئی ایسی چیز تیار کرا کر رکھ لیتے کہ وہاں کھانا نہ کھانا پڑے، فرماتے تھے کہ میزبانوں کی ضیافت سے بھی قلب کی کیفیت اور خلوص متاثر ہوتا ہے، اس کا اثر ہمارے حضرت پر جو پڑا تھا اس کا ذکر حضرت پر لکھنے والے ہر صاحبِ قلم و عقیدت مند نے کیا ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کا ایک جملہ ہے جو ہزاروں

نصیحتوں پر بھاری ہے، حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کو اپنے شاگرد ارشد سے جو تعلق تھا اس کا اظہار انہوں نے اپنے متعدد خطوط میں کیا ہے، یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ تمہاری ترقی سے جتنی خوشی ہوتی ہے اتنا اپنے بیٹے کی ترقی سے نہیں ہوتی، اس کے باوجود ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ مولانا نے حضرت کی دعوت کی لیکن گھر میں کہنا بھول گئے جب حضرت کو لے کر گھر پہنچے تو صرف دال اور روٹی کے سوا کچھ نہ تھا جب کھانے پر بیٹھے تو بجائے اس کے کہ کوئی معذرت فرماتے آ ب زر سے لکھے جانے کے قابل یہ جملہ ان کی زبان سے نکلا:

”مولوی ابوالحسن صاحب! ہم سے اچھی تو یہ دال ہے کہ جس کام کے لیے پیدا کی گئی ہے اس کو پورا کر دیا۔“ اپنی ساری خاندانی خصوصیات و امتیازات کے ساتھ جس ذات گرامی کی تربیت اس طرح غیبی انتظام کے طور پر کی گئی ہو، اس کے تزکیہ و احسان کے بارے میں کیا لکھا جاسکتا ہے، ان کی پوری زندگی حدیث جبرئیل کا عملی نمونہ تھی، حضرت ابوحنیفہؒ کی زکریا انصاری شافعی فرماتے ہیں: ”تصوف کی اصل حدیث جبرئیل ہے، اس اجمال کی تفصیل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سن لیجئے پرانے چراغ: ۱/۱۳۴ پر رقم فرماتے ہیں:

”میری زندگی میں وہ بڑا مبارک دن اور بڑی سعید گھڑی تھی جب مولانا احمد علی صاحب لاہوری امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے نیاز حاصل ہوا، میری زندگی نے نیاراستہ (جہاں تک خیال ہے بڑا اور مبارک

راستہ) اختیار کیا، پہلا موڑ جب مولانا احمد علی صاحب سے تعلق پیدا ہوا، دوسرا موڑ اس وقت پیش آیا جب خدا نے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچایا، اگر مولانا احمد علی سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بری بہر حال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی، اور شاید اس میں ادب و تاریخ اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی ذوق و رجحان نہ پایا جاتا، خدا شناسی اور خدا رسی کی راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیزیں ہیں، مولانا کی صحبت میں کم سے کم خدا طلبی کا ذوق، خدا کے نام کی حلاوت اور مردان خدا کی محبت اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا اور ہم عامیوں کے لیے یہی بڑی دولت و نعمت ہے بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے اس کے مل جانے کے بعد پھر عمر بھر فرصت کہاں؟ چنانچہ حضرت کی پوری زندگی اسی کی شاہد عدل ہے جس کو کسی صاحب دل نے اس طرح ادا کیا ہے۔

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور

اس کو فرصت نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

یہ انسانی کمزوری ہے کہ جب علم محدود ہو اور زہد و عبادت کا کوئی خاص رنگ غالب نہ ہو اور تربیت مکمل نہ ہوئی ہو تو وہ اپنے علاوہ کسی کو بزرگ کم مانتا ہے بلکہ تنقید و بدگمانی کا شکار ہوتا ہے، ہمارے حضرت کے ساتھ یہ واقعہ بہت پیش آیا، ایسے لوگ حضرت شیخ (یعنی مولانا محمد زکریا) رحمۃ اللہ علیہ کے

ہمارے حضرت کی مرتبہ شناسی اور محبت عاشقانہ کو تالیف قلب پر محمول کرتے تھے، جب محبت عاشقانہ کا ذکر آ گیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کا ایک شعر بھی لکھ دوں، ایک مرتبہ ہمارے حضرت نے اپنے خط میں سہارن پور جانے کا ذکر کیا اور کسی وجہ سے تاخیر ہوئی، حضرت شیخ نے اس تاخیر پر حضرت کو شکایتی خط لکھا، اور لکھا۔

مت آئیو وعدہ فراموش تو اب بھی

جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی

راقم سطور نے یہ خط خود پڑھا ہے اور یہ شعر سوانح حضرت شیخ میں بھی درج ہے مگر ہمارے حضرت نے اس کا اظہار نہیں کیا کہ یہ شعر ہمارے خط میں لکھا تھا۔

ہمارے حضرت کے دست گرفتہ اور حضرت شیخ کے بھی عاشق طارق عسکری صاحب مدینہ منورہ میں ملازمت کی وجہ سے حضرت شیخ کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضری دیتے تھے اور حضرت شیخ بھی ان کو بہت چاہتے تھے جیسا کہ اوپر انسانی کمزوری کا ذکر ہوا بعض حضرات ہمارے حضرت پر بڑی جارحانہ تنقید فرماتے تھے اتنا کہ طارق صاحب کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی حضرت شیخ نے اپنے خاص انداز میں طارق صاحب سے فرمایا:

”ابے یہ باو لے اعلیٰ میاں کو کیا پچھانیں گے؟“

(طارق صاحب ماشاء اللہ باحیات ہیں اور مدینہ منورہ ہی میں ہیں انہوں نے راقم سطور سے براہ راست یہ بات بیان کی، ممکن ہے الفاظ میں کچھ رد و بدل ہو گیا ہو)۔

### بے نفسی و اخفائے حال

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جب کہ ابھی یہ کام پر مشقت و نمانوسیت کے دور سے گزر رہا تھا، بڑے پر مشقت سفر فرمائے، بعض وقت تو صحت بہت خراب ہوتی، پچپش کی شکایت اور ملتان و پیشاور جیسے دور دراز خطہ کا سفر مگر سب کچھ برداشت فرماتے، اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو حضرت نے اپنے برادر معظم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کے نام لکھے ہیں، خود بانی تبلیغ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرض و فات میں اس شدت تکلیف کے عالم میں کہ چار پائی کو حرکت ہوتی تو تکلیف ہوتی حضرت کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا آپ نے دعوت کا کام بہت کیا ہے، تھک گئے ہیں، کوئی آپ کا ساتھ دینے والا بھی نہیں۔ (میر کارواں) اس سب کے باوجود جب مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر مضمون لکھتے ہیں اور ان کی خوبیوں اور کمالات انتھک محنت کی تصویر کشی کرتے ہیں تو اپنے آپ کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

”میرا خودیہ حال تھا کہ اکثر اپنے دل سے خطاب کر کے کہتا بے ہمت! مولانا کے لیے ساری زندگی کا معاملہ ہے، تیرے لیے صرف دو دن کا معاملہ ہے لیکن بہانہ جو اور سہولت پسند طبیعت اپنی صحت کی کمزوری اور مولانا کی اعلیٰ ظرفی کا سہارا لے کر گوشہٴ عافیت تلاش کر لیتی، اس وقت اگر کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا تو خود زبان حال سے اس کو اپنا پتہ اس طرح دیتا کہ۔

ہوگا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میر

کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

کسی جلسہ سے واپسی پر جہاں معتقدین کا ہجوم ہوا ہوگا، ایسے وقت اعجاب بالنعس میں مبتلا ہو جانے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے، ٹھیک اسی وقت ایک نیاز مند ملنے کے لیے مرکز کچہری روڈ میں جہاں اکثر حضرت کا قیام ہوتا تھا، حاضر ہوا تو یہ شعر گنگناتے سنا۔

کچھ بھی حاصل نہ ہوا دہر میں نخوت کے سوا

شغل بیکار ہیں سب تیری محبت کے سوا

بلاد عربیہ، حجاز اور مصر و شام میں حضرت کی جو پذیرائی ہوئی، بڑے بڑے علماء، ادباء، مفکرین حضرت کے محاضروں میں شرکت کے لیے طالب علموں کی طرح سے جس ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے، ایسے میں نفس کا شرب کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا ہے، لیکن حضرت اس سب کو اپنے



مرشد مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی توجہ اور فیض پر محمول کر کے غالب کا یہ شعر پڑھ کر وساوسِ شیطانیہ کو دفع فرماتے تھے۔

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا

وگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

حضرت اپنے علم و فضل اور خلوص و للہیت کے سبب بلادِ عربیہ میں مقبول و

محبوب بن چکے ہیں، اپنے مرشد کے ساتھ حج کو جاتے ہیں تو حضرت کے لیے

بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولا جاتا ہے، اپنے مرشد و دیگر احباب کے ساتھ خانہ

کعبہ میں داخلہ کا شرف حاصل ہوتا ہے، مگر اشارہ کنایہ میں بھی اس کو اپنی طرف

نہیں منسوب کرتے بلکہ اپنے شیخ کی برکت و فیض سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

مور مسکیں ہوس داشت کہ در کعبہ رسد

دست برپائے کبوتر زد و ناگاہ رسد

حضرت نے اپنے مرشد کے ساتھ رمضان المبارک رائے پور میں

گزارا، کیا کیا کیفیات حاصل ہوئی ہوں گی، اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے بلکہ یہ

شعر پڑھ کر سب کچھ بیان فرما دیتے ہیں۔

دکان سے فروش پر سالک پڑا رہا

اچھا گذر گیا رضاں بادہ خوار کا

اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے

یہاں اخفائے حال بہت تھا جو مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریادئی کے الفاظ میں پوری طرح ادا ہوا ہے:

”ایک بار نہیں، شاید دو ایک بار اور اشارتا و کنایتا نہیں، منہ پھوڑ کر پوچھا کہ حضرت شاندار مصطلحات تصوف کا مفہوم کچھ تو ہم نیاز مندوں پر کھولئے، ”تنازل ستہ“ کے چہرہ سے نقاب ذرا تو سر کائیے، ”توجہ باطن“ سے قلب کو گرمائیے، کچھ جواب نہ ملا، تجاہل سا کر کے ٹال گئے، ایسا تجاہل جو دانستہ تغافل سے کم نہ تھا۔“

### سحر خیزی و ذکر و مراقبہ

ترکیہ و احسان کے ذوق و طلب اور اس کے شوق و جذبہ کو پروان چڑھانے کے لیے رات کے آخری حصہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس وقت رحمت خداوندی خصوصاً متوجہ ہوتی ہے، جس کا حدیث پاک میں مختلف عنوانوں سے بہت ذکر آیا ہے لہذا حضرت کا سحر خیزی کا برابر معمول رہا، تہجد سے فارغ ہو کر ذکر فرماتے اور جب کلمہ توحید کی ایک تسبیح پوری ہوتی تو کیف میں ڈوبا ہوا کوئی شعر پڑھتے، حضرت کے ہمہ وقت کے خادم خاص حاجی عبدالرزاق صاحب سے بہت سے وہ اشعار معلوم ہوئے جو حضرت تہجد کے وقت پڑھا کرتے تھے، اس کی تصدیق یوں بھی ہوئی کہ راقم سطور نے حضرت کو اپنے ایک نیاز مند کو ذکر کی تلقین کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ درمیان درمیان کوئی

شعر بھی پڑھ لیا کرو جس سے سوز و گداز پیدا ہو، حضرت جو اشعار پڑھتے تھے جو معلوم ہو سکے درج ذیل ہیں، کبھی پڑھتے ے۔

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب  
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است  
کبھی پڑھتے ے۔

ادھر بھی ابر رحمت آئے اور جم جم کے یوں بر سے  
کہ ہو سر سبز کھیتی ہم غریبوں بد نصیبوں کی  
کبھی پڑھتے ے۔

تراشیوہ کرم ہے اور مری عادت گدائی کی  
نہ ٹوٹے آس اے مولیٰ ترے در کے فقیروں کی  
کبھی پڑھتے ے۔

الہی تجھ پہ آساں ہے مری مشکل کو حل کرنا  
کمال سرفرازی میں مجھے ضرب المثل کرنا  
کبھی پڑھتے ے۔

سہارے پر ترے مولیٰ مری ہمت بھی عالی ہے  
ہزاروں کشتیاں ڈوبی ہوئی تو نے نکالی ہیں  
کبھی پڑھتے ے۔

بادشاہا جرم مارا در گزار  
 ماگنہ گاریم و تو آمرزگار  
 تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم  
 جرم بے اندازہ بے حد کردہ ایم  
 کبھی پڑھتے ۔

بندہ نواز میری منت کی لاج رکھ لے  
 میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے  
 کبھی عربی کا یہ شعر پڑھتے ۔

لینک تحلو و الحیاة مریرة  
 و لینک ترضی و الأنام غضاب  
 لیة الذی بینی و بینک عامر  
 بینی و بین العالمین خراب

یعنی کاش آپ کی محبت دل میں رچی بسی ہو خواہ زندگی بدمزہ کیوں نہ  
 ہو۔ آپ راضی اور خوش ہوں تو ساری مخلوق کی ناراضگی کی پرواہ نہیں۔ آقا سے  
 غلام کا رشتہ غلامی آباد و معمور ہو تو میرے اور پوری دنیا کے درمیان بے تعلق کی  
 کوئی پرواہ نہیں۔

ذکر سحر گاہی میں اور بھی بہت سے اشعار قلب کے اندر کیف سوز و گداز کو

بڑھانے کے لیے پڑھتے۔

حضرت اپنے مسترشدین کو بالعموم ذکر کے لیے تین تسبیحات ہی کی پابندی کی تلقین کرتے، زیادہ زور صحیح نیت اور احتساب نفس پر ہوتا، لیکن خاص اور بکثرت رجوع کرنے والے نیاز مندوں کو ذکر کی تلقین اس طرح بھی فرماتے کہ ذکر کرنے بیٹھو تو درود شریف پڑھ کر گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی آل و اولاد کو ایصالِ ثواب کر کے پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو ایصالِ ثواب کرو، پھر کہو! ”اے اللہ! تو ان تمام مشائخ و بزرگوں کو ان آیات کا ثواب پہنچا جن سے ہم کو فائدہ پہنچا اور پہنچ رہا“ پھر یہ دعائیہ الفاظ کہہ کر ”اے اللہ میں تجھ سے تیرا نام چاہتا ہوں، اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت چاہتا ہوں، اے اللہ تو مجھ سے وہ کام لے جو تجھے پسند ہوں“ ذکر شروع کرو۔

### ابتلاء و آزمائش

اہل اللہ کو ابتلاء و آزمائش کے اس دور سے بھی گزرنا پڑتا ہے جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ: ”أشد الناس بلاءً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل“۔

ہمارے حضرت کو بھی اس ابتلاء و آزمائش کے بڑے جاں گداز حالات سے گزرنا پڑا، راقم سطور ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درجہ اول میں

داخل ہوا تھا، توفیق خداوندی کے سوا اس کی کوئی اور تاویل نہیں ہو سکتی کہ اس نو عمری ہی سے حضرت سے تعلق رہا اور پورے ۴۵ سال گذر گئے، اس مدت میں حضرت پر حاسدین و حاقدین کے تیر و نشتر کے مناظر دیکھتا رہا، اخبارات و رسائل میں کیا کچھ نہ لکھا جاتا لیکن حضرت کا معمول وہی دیکھا جو اہل اللہ کا شعار رہا ہے کہ

ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد

بعض وہ لوگ جو حضرت کے ساختہ پر داختہ تھے، ان میں سے بعض نے تو حضرت کے خلاف پوری کتاب لکھ ڈالی، اور بعض لکھنؤ میں رہتے ہوئے ایسے کٹے رہے جیسے یہاں ہیں، ہی نہیں اور اخیر میں تو ایسے ایسے حضرات جو حضرت ہی کی وجہ سے جانے پہچانے گئے تھے اور کام میں لگے تھے، بالکل بے تعلق ہو گئے مگر حضرت نے اپنے سلوک و برتاؤ میں کوئی فرق نہ آنے دیا، ملنے جاتے، مزاج پر سی و عیادت کے لیے جاتے اور اس کے باوجود اپنے بعض نیاز مندوں سے جو بہت فریب رہتے تھے اور حضرت ان پر بہت اعتماد کرتے تھے، پوچھتے کہ بھئی فلاں صاحب کے بارے میں ہماری طرف سے کوئی زیادتی تو نہیں ہوئی۔

ایک دن ایک نوجوان آئے جو کسی تنظیم کے ذمہ دار تھے، حضرت کے پہلو میں اس طرح بیٹھے جیسے کوئی برابر والا بیٹھتا ہے، حضرت ان سے پورے اخلاق کے ساتھ بات کرتے رہے، جب وہ چلے گئے تو حضرت کے عاشق شیدا

صوفی انیس صاحبؒ جو اس وقت موجود تھے، عرض کیا کہ حضرت ان کی طرف طبیعت کچھ چلی نہیں، حضرت نے فرمایا، ان کا بس چہ۔ تو مجھے قتل کر دیں، مگر حضرت پورے اخلاق کے ساتھ پیش آئے۔

بعض مناظر تو راقم سطور نے ایسے دیکھے کہ حضرت ہی کے صدقہ میں پلنے بڑھنے والوں نے بھرے مجمع میں ایسا معاملہ کیا کہ جیسے گنوار اور دیہاتی لوگ اپنے مخالف کے ساتھ کرتے ہیں مگر حضرت کی زبان سے شکایت کا ایک لفظ نہ نکلا، کہنے والے نے سچ اور مٹی برحقیقت بات کہی ہے کہ ۔

سالک راہ محبت کا خدا حافظ ہے

اس میں دوچار بہت سخت مقام آتے ہیں

حضرت نے جس حلم و صبر، اور وسعت ظرفی کی مثال پیش کی اس پر

بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ۔

ہمارے بعد کوئی آbla پھر نہ آئے گا

رہے گی خشک کانٹوں کی زباں جب ہم نہیں ہوں گے

**تصوف تعطل اور زندگی سے فرار نہیں سکھاتا**

حضرت فرماتے ہیں کہ تصوف تعطل اور زندگی سے فرار نہیں سکھاتا بلکہ وہ

دین کی حمیت اور اسلام کی حمایت کا جذبہ ابھارتا ہے، حضرت کی زندگی اسی کی

آئینہ دار اور زندہ جاوید تصویر تھی۔

اس کی عکاسی ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے خوب سے خوب تر کی ہے، وہ حضرت مگو شیخ ربانی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، وہ حضرت پر اپنی ضخیم کتاب میں اپنی بات اس طرح شروع کرتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم نے شیخ کی زندگی میں جو کچھ لکھا تھا اس کا اقتباس پیش کر دوں، ان پر اللہ کی رحمت و مغفرت کا شامیانہ تار ہے، ان کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے، اس ربانی، اسلامی، قرآنی، محمدی، عالمی شخصیت کے متعلق کیوں نہ لکھوں کہ وہ ہمارے شیخ و محبوب تھے رضی اللہ عنہ وارضاه۔

پھر وہ ”شیخ ربانی، اسلامی، قرآنی، محمدی، عالمی“ کی الگ الگ سرخیاں لگا کر اس کی دکش تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں کہ حضرت کے تصوف و تزکیہ، عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عالمی پیمانہ پر ملت کے بلکہ پوری انسانیت کے لیے بے چینی و بے کلی اور درد و سوز کا سراپا بن گاہوں میں گردش کرنے لگتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر قرضاوی رقمطراز ہیں:

**دبانی:** ہم نے ان کو ”ربانی“ لکھا، اس لیے کہ علماء سلف اس بات پر متفق ہیں کہ ربانی اسی کو کہتے ہیں جو عالم باعمل ہو اور دوسروں کو سکھانے کا جذبہ رکھتا ہو، جس شخص نے علم حاصل کیا اور اپنے علم پر عمل نہ کیا وہ ربانی نہیں بلکہ اس کا علم اس کے خلاف حجت ہوگا، یہ وہ علم ہے جو نفع نہیں پہنچاتا ہے، ایسے علم سے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی



ہے، فرمایا:

”اللّٰهُمَّ اِنِّى اَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ“ (اور جس نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل بھی کیا لیکن دوسروں کو نہیں سکھایا، دوسروں کو دعوت نہ دی وہ بھی ربانی نہیں) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ“۔ [آل عمران/۷۹]

اور جس نے علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی (زبان سے، قلم سے، سفر کر کے اور عمل سے) یہ ہے وہ ربانی جس کی عظمت کے تذکرے آسمانوں میں ہوتے ہیں ارشاد ربانی ہے: ”وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ“۔ [فصلت/۳۳]

شیخ قرضاوی نے اس تزکیہ کی وضاحت کرنے کے لیے جس کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے، اس کو منصب رسالت کی ذمہ داری کا بنیادی شعبہ قرار دیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَان لَمْ تَكُن تَرَاهُ فَبِإِهْتَابِكَ“ سے تعبیر فرمایا ہے، شیخ نے ربانی کا لفظ اپنی گرانقدر کتاب ”رَبَانِيَّةُ لَارْهَبَانِيَّةُ“ کے نام سے موسوم کتاب کے عنوان میں

استعمال فرمایا ہے جس کا منشا محض اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنا جو ناپسندیدہ بدعات و مبالغوں کے اعتقاد و عمل سے پاک ہو۔

**اسلامی:** یہ بات کہ وہ اسلامی ہیں اس حقیقت کے اعتبار سے

سے کہ دین اسلام ان کے رگ و ریشہ میں اس طرح رچا بسا تھا کہ:

شاخ گل میں جس طرح باد سحر گا ہی کا نم

اسی سے ان کی اٹھان ہوئی تھی اور یہی ان کی ساری تگ و دو کا مقصود تھا،

ان کی زندگی کا ہر عمل اسی کے گرد گھومتا تھا، اسی کی خاطر لکھتے پڑھتے، چلتے

پھرتے اور ملک ملک کی خاک چھانتے اور اسلام ہی سے قوت و توانائی حاصل

کرتے، اسی پر عمل پیرا رہتے جس سے محبت کرتے دین کی خاطر، طبیعت میں

تکدر اور غصہ کی کیفیت ہوتی اور اس کا اظہار ہوتا تو دین ہی کی خاطر، اسلام کا

درد و سوز ان سے مضامین لکھواتا اور کتابیں تصنیف کرواتا، درس و تدریس ہو کہ

وعظ و تقریر سب کچھ اسلام ہی کے لیے ہوتا، دن اسی کی فکر میں گذرتا رات

دعائے نیم شبی میں گذرتی، اسلام ہی ان کے سفر کا ذراہ اور حالت قیام کا

مونس و دم ساز ہوتا، خلاصہ یہ کہ اسلام ہی ان کی زندگی تھی اور اسلام ہی کے لیے

وہ جینے کی آرزو رکھتے تھے جو کبھی کبھی ان کی زبان مبارک سے اس طرح ابل

بلکہ چھلک پڑتا تھا۔

روح پدرم شاد کی فرمود با ستاد

فرزند مرا عشق بیاموز دگر ہچ

ان کے دل و عقل اور لمحات زندگی کو ہمہ وقت جو چیز مشغول رکھتی تھی وہ اسلام ہی تھا، اسلام کا پیغام، اس کی تہذیب، اس کی بیداری و غلبہ امت مسلمہ کے مسائل اور دشمنان اسلام کی نت نئے انداز میں یورشیں اور سازشیں ان کے فکر و ذہن پر طاری رہتیں، ان پر جو چیز سب سے زیادہ طاری رہتی تھی وہ باہر کے حملوں سے برسر پیکار ہونے کے لیے اپنے اندرونی محاذ کو طاقتور بنانا تھا، جو افراد کی تربیت کے بغیر ناممکن ہے کہ قوم و جماعت کی یہی بنیادی اینٹ ہے، ارشاد بانی ہے:

”إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُبَدِّلُوا مَا بِنَفْسِهِمْ“ [الرعد/۱۱]

**قرآنی:** یہ بات کہ وہ ”قرآنی“ ہیں، اس لیے کہ رشد و ہدایت کا چشمہ اول قرآن ہی ہے، اسی سے وہ اپنی گفتگو اور تحریر و تقریر کی سلسبیل کو جاری کرتے ہیں اور پورے جزم و یقین کے ساتھ بلا خوف و لومۃ لائم پُر اعتماد انداز میں اپنا دردِ دل اور سوزِ جگر پیش کرتے ہیں، قرآن ہی سے ان کو انس و محبت ہے، اسی کی روشنی میں بولتے اور لکھتے، عبادت کا فریضہ اسی کی تلاوت سے ادا ہوتا، اسی کے پڑھنے کا لطف و مزہ لیتے جس سے ان کی ایمانی حرارت میں اضافہ ہوتا ہے، ان کے لمحات زندگی اسی کی عطر بیز فضاؤں میں

گذرتے، اس کی آیات دل کے تاروں کو چھیڑتیں اور وہ اس کے معانی کے لعل و گہر نکالتے اور اپنی تقریروں، تحریروں، اور رسالوں میں ان کو بکھیرتے جس میں عقل کی سوجھ بوجھ اور تاثر میں ڈوبی ہوئی دل کی دھڑکنیں سنائی دیتیں، ہماری اس بات کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس نے ان کی تقریر کو سنا اور ان کی بڑی اور چھوٹی ہر طرح کی کتابوں کو پڑھا ہے، پھر ان کے قرآنی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور جس کا پیشوا قرآن ہو وہ غلط رخ پر نہیں جاسکتا۔

**محمدی:** ”محمدی“ سے میری محض یہ مراد نہیں کہ وہ سیدزادہ ہیں، ان کا سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے، وہ ہاشمی اور حسنی ہیں کتنے ایسے حسنی اور حسینی ہیں کہ ان کے اعمال ان کے نسب سے میل نہیں کھاتے کہ جس کا عمل پست ہو نسب اس کو اونچا نہیں کر سکتا: ”ومن بطأ عملہ لم یسرع بہ نسبہ“۔

ہماری مراد یہ ہے کہ وہ یگانہ روزگار مثالی عالم و داعی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو اپنایا اور پیش کیا ہے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر عبادت و زہد میں زندگی کی زیب و زینت اور دنیا کے حسن و جمال سے دور رہنے میں عمل کر کے دکھایا، وہ چودہویں صدی کی دنیا میں پہلی صدی کے حضرات (صحابہ کرامؓ) کی زندگی کی تصویر پیش کر رہے تھے، ہم جیسے لوگوں کی طرح مال و متاع اور ٹھاٹھاٹ کی فکر نہیں کرتے

تھے، تم ان کو دیکھو تو مسلمان فارسی اور ابودرداءؓ کی تصویرنگاہوں میں پھرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں آپ کی گفتگو چوب خشک محض محقق و مضمون نگار کی نہیں ہوتی تھی بلکہ ایک عاشق شیدائی کی ہوتی تھی جو اس مثالی و لاثانی شخصیت پر فریفتہ ہو، یہ بات ان کی کتاب ”نبی رحمت“ ہی میں نہیں بلکہ ان کی ساری کتابوں اور تقریروں سے عیاں ہوتی ہے، یہ محبت اور محبوب کے سانچے میں ڈھل جانا آپ کی جامع کمالات سیرت کو پوری طور پر ہضم کر لینے کے سبب پیدا ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع فرمادی تھیں، تزکیہ و احسان اس کے علاوہ اور کس چیز کا نام ہے؟

**عالمی:** ہمارا یہ خیال کہ وہ عالمگیر شخصیت کے مالک ہیں، یہ بات ہر اس شخص پر عیاں ہے جو شیخ کی علمی، فکری اور دعوتی سرگرمیوں پر نظر رکھتا ہے، وہ اگرچہ وطن اور پرورش و پرداخت اور تعلیم و تعلم کے اعتبار سے ہندوستانی تھے، مگر ان کی عقابانی نظر و فکر مقصد کے اعتبار سے عالمی تھی، اگر انہوں نے ایک طرف ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاح اور دین و عقیدہ کی حفاظت کی فکر کی اور ان کے مسائل میں شریک ہوئے اور اس بارے میں تمام جماعتوں کی پیشوائی کی جیسا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے سلسلہ میں جب کبھی حکومت نے مسلمانوں پر ایسا قانون نافذ کرنا چاہا جو ان کے دینی امتیاز و تشخص سے محروم کر دے تو شیخ نے پوری ایمانی قوت و جرأت اور جوش و اعتماد کے ساتھ اس کی تردید کی،

ان کی یہ تڑپ و بے کلی اور فکر و سرگرمی ہندوستان ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ پورے عالم پر سایہ فگن رہی، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ عالم عربی میں حضرت شیخ کی شہرت ہندوستان سے کم نہ تھی۔ (بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ عالم عربی میں ہندوستان سے کہیں زیادہ معروف محبوب) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ وہاں کی بیشتر تحریکوں اور اداروں کی عالمی کمیٹی اور رابطہ کی فقہی کمیٹی کے رکن ہیں ایسے ہی اردن کی شاہی کمیٹی برائے ”بحث و تحقیق اسلامی تہذیب“ اور دمشق کی علمی اکاڈمی کے رکن ہیں۔

مولانا ہی کی ذات گرامی ہے جس نے اسلامی علوم و فنون کی تحقیق و مطالعہ کے لیے آکسفورڈ سینٹر قائم کرنے کی کوشش کی جو خالص مغربی یونیورسٹی میں اسلامیات کی تحقیقات کا سینٹر ہے، شیخ ابتدا ہی سے اس کے صدر رہے، اسی طرح سے انہوں نے رابطہ ادب اسلامی قائم کرنے کی فکر پیش کی اور اس میں حصہ لیا کہ اسلام پسند ادباء کے لیے وہ ایک عالمگیر اسٹیج ہو، شیخ اس کے قیام ہی کے وقت سے اس کے صدر رہے جو شخص بھی مولانا کی تقریروں اور رسائل کو پڑھے اور دیکھے کہ وہ کہاں پڑھے اور پیش کیے گئے اور ان کا مخاطب کون لوگ تھے تو اس پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ ان کی شخصیت عالمی تھی، چنانچہ ”عربوں کے نام پیغام“، ”نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں“، ”دو ہفتہ ترکی میں“، ”دو ہفتہ مغرب میں“ ”نہر کابل سے نہر یرموک تک“ اس

کابین ثبوت پیش کرتے ہیں، اس طرح سے شیخ جس لک میں گئے ”اسمعی“ (سنو!) کے عنوان سے اس ملک کو بحیثیت ایک مشفق، ررد و بہی خواہ کے پیغام دیا، مصر گئے تو اس کو ”اسمعی یا مصر!“ کے عنوان سے، خطاب فرمایا، سور یہ کو بھی اسی عنوان سے مخاطب کیا، کویت کو ”اسمعی یا زهرة الصحراء“ کے عنوان سے پیغام دیا، ایران سے بھی ”اسمعی یا ایران“ کے عنوان سے مخاطب ہوئے غرض یہ کہ شیخ کا سوز دروں پورے عالم انسانی کے لیے ان کو بے کل رکھتا تھا اور جو کچھ لکھتے بولتے پورے عالم انسانیت کو سامنے رکھ کر لکھتے، بولتے۔

شیخ یوسف القرضاوی کی بات ختم ہوئی اسکی مزید تائید کے لیے یہ عرض کرنا بجا ہوگا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت خراب تھی، پیرانہ سالی نے اپنا پورا سایہ ڈال رکھا تھا اور اس حال میں دینی تعلیم کونسل کے سرگرم و فعال بزرگ وکیل جناب ظفر الحسن عیادت کے لیے رائے بریلی تشریف لے گئے تو عرض کیا حضرت اب آپ کی عمر و صحت سفر کے قابل نہیں رہی، یہیں قیام فرمائیں جس کو فائدہ اٹھانا ہوگا خود آئے گا، حضرت نے جواب دیا: وکیل صاحب! ”جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے کہ امت مسلمہ کن خطرات سے گزر رہی تھی اور تم کو خانقاہ کی سوجھی تھی تو میرے پاس کیا جواب ہوگا“۔

گستاخی پر نہ محمول کیا جائے تو ہمت کر کے یہ عرض کروں کہ یہ وہ تزکیہ و احسان ہے جس پر ہزار پیشہ ورانہ خانقاہیں اور عیارانہ جبہ و دستار قربان، اپنی اس

جسارت کی تائید میں معاصر بزرگوں نے جو کچھ فرمایا اس کو عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

### مولانا احمد علی لاہوری کی نظر میں قدر و منزلت

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تفسیر و مربی مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت والا کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

”آپ کا خط پڑھا تو اس میں آپ نے اپنی شرافت خداداد اور سعادت ازلی کے وہ موتی الفاظ کی لڑیوں میں پروئے تھے جنہیں پڑھ کر بیساختہ آپ کی صلاحیت شرافت اور سعادت کی دل نے داد دی اور دل سے دعا نکلی کہ اے اللہ! مولوی ابوالحسن صاحب کو اور زیادہ ادراک اور فہم سلیم عطا فرما اور ان کی ہستی کو اپنی رضا میں فنا کر کے دین کی خدمت کا بہت بڑا کام لے اور انہیں تا دیر سلامت رکھ کر دین کی تبلیغ اور خلق اللہ کے باطن کی تربیت کی توفیق عطا فرما اور انہیں اخلاص اور استقامت کے عطیات سے سرفراز فرما۔“

آمین یا رب العالمین!

### حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوری کی محبت

#### کی عجیب مثال

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کو حضرت والا سے جو ربط و



تعلق قلبی تھا اس کی تفصیل تو طویل ہے، یہاں شیخ یوسف القرضاوی کے عالمی کی مناسبت سے ایک خط کا اقتباس پیش کر دینا کافی ہے، حضرت شاہ صاحب کے زمانہ قیام گورکھپور میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کو حاضر ہوئے اور واپسی کے بعد خط لکھا جس میں حضرت کی شفقتوں اور اپنے احساسات و تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے یہ مصرع لکھ دیا ع

کلاہ گوشہ دہقاں بافتاب رسید

شاہ صاحب نے حضرت کے خط کا جو جواب لکھا اس میں یہ لکھا کہ اس (شعر) کا صحیح مصداق تو یہ تھا کہ میں پڑھتا کیونکہ ایک بادشاہ نے کسی دہقاں کے یہاں نزول فرمایا تھا، اس پر اس نے یہ شعر کہا تھا تو آپ کی مثال شاہوں کی سی ہے کہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں نزول فرماتے رہتے ہیں، چنانچہ ایک دہقاں کے یہاں نزول فرما کر اس کو شرف بخشا، اس لیے اگر میں کہوں تو حق بجانب ہوں ع

کلاہ گوشہ دہقاں بافتاب رسید

بلکہ پورے قطعہ ہی کو دہراتا ہوں ۔

زقدر و شوکت و سلطان نگشت چیزے کم

یہ ز التفات بہماں سرائے دہقانے

کلاہ گوشہ دہقان بآفتاب رسید  
کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

### مولانا عبدالماجد دریابادی کا ارشاد

عالمی ہی کے پس منظر میں ادیب بے بدل مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی کی بے نظیر تحریر قابل ذکر ہے:

”ندوہ کے سے بڑے دارالعلوم کا انتظام بھی کرتے ہیں اور سارے ہندوستان (وبیرون) کا دورہ الگ، ابھی یہاں ہیں، ابھی وہاں، مقالات و تصنیفات ہیں کہ ساتھ ساتھ کٹھاٹ نکلتی چلی آرہی ہیں، زندگی قابل داد بھی، قابل، رشک بھی!“۔ اس سے قبل تحریر فرماتے ہیں: ”سن میں مجھ سے کہیں چھوٹے ہیں لیکن علم و فضل میں، سنجیدگی فکر میں، اخلاق و تقویٰ میں، عبادت و ریاضت میں، خشیت و طاعت میں میرے بڑوں میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔“

### رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی کا ارشاد

عالمی ہی کی تائید مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذیل کے اقتباس سے ہوتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں: ”اس دنیا میں ایسے لوگ بہت کم پیدا ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن ثاقب بھی ملا ہو اور دل روشن بھی، جو اس دوڑتی ہوئی اور کروٹیں بدلتی ہوئی دنیا کے حالات و مزاج اور اس کے نت نئے

تقاضوں سے پورے باخبر بھی ہوں اور دینی و ایمانی حقائق کے بارے میں وارثین انبیاء کرام کی طرح صاحب یقین بھی۔

الغرض اس دنیا میں یہ جنس بہت ہی کم یاب ہے اور اللہ کے ایسے بندے جو ان دونوں صفتوں کے جامع ہوں اس عاجز نے غالباً اتنے بھی نہیں دیکھے جتنی کی اپنے ایک ہاتھ میں انگلیاں ہیں لیکن جو دو چار دیکھے ہیں ان میں ایک ذات رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی بھی ہے، اللہ کی خاص توفیق و عنایت سے وہ صاحب نظر و فکر بھی ہیں اور صاحب قلب بھی، وہ اپنے علم و معلومات کے لحاظ سے جدید بھی ہیں اور ایمان و یقین اور رسوخ فی الدین اور طرز زندگی کے لحاظ سے قدیم بھی، ان کی ذات مدرسہ بھی ہے اور خانقاہ بھی۔“

**حضرت کے وسعت فکر و سلوک کا سراپا**

**حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی زبان سے**

حضرت علیہ الرحمہ کے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نے حضرت کے بارے میں جو کچھ فرمایا وہ اس سب کا خلاصہ ہے جو کچھ اب تک لکھا گیا، مولانا عبداللہ مغیشی صاحب جن کو ہمارے حضرت کی خانقاہ کا شرف حاصل ہے، اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

”غالباً ۱۴ رمضان المبارک کا واقعہ ہے، ہم خدام حضرت کا بدن دبا رہے تھے، (حضرت مولانا رائے پوری) احقر کو یہ خدمت اکثر میسر ہوتی جس

کی وجہ یہ تھی کہ ہمارا پورا خاندان اعزہ واقارب حضرت سے والہانہ عاشقانہ مخلصانہ تعلق رکھتے تھے، ناچیز نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! حضرت شیخ الحدیث کا تو پلنگ پر بیٹھنا ضعف و نقاہت، پیرانہ سالی اور ہم عصری کے سبب سمجھ میں آتا ہے مگر مولانا علی میاں صاحب کا پلنگ پر بیٹھنا سمجھ میں نہیں آتا، اس پر حضرت نے برجستہ ارشاد فرمایا:

تم نہیں جانتے، علی میاں حضرت مجدد الف ثانی کی حق گوئی، شاہ ولی اللہ کی فکر و نظر، سید احمد شہید کے جذبہ جہاد کا عکس جمیل، حاجی امداد اللہ مہاجر کی، مولانا کیرانوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی کا عملی نمونہ، سید سلیمان ندوی اور شبلی نعمانی کے افکار و تاریخ کا عظیم مرقع، مولانا محمد الیاس، شیخ الاسلام، شیخ الحدیث کی دینی علمی دعاؤں کا نتیجہ ہیں، اونا داں یاد رکھ! وہ خواجہ معین الدین چشتی سے لے کر تمام اکابرین حق کے ترجمان اور میری آنکھوں کا تارہ ہیں۔

حضرت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاندانی خصوصیات کے ساتھ تزکیہ و احسان کے جس بلند مرتبہ سے نوازا تھا، اس نے ان کو جو عام محبوبیت عطا فرمائی تھی، اس کا کچھ ذکر حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کے مرشد و استاذ مولانا احمد علی لاہوری، حضرت رائے پوری، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی زبان مبارک سے منقول ہوا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی ناظم دارالمصنفین، اعظم گڑھ نے حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا صاحب) سے بیعت کی درخواست کی، حضرت شیخ نے اپنے تفصیلی خط میں لکھا کہ آپ مولانا علی میاں سے بیعت ہو جائیں، اس خط کے جواب میں جناب شاہ صاحب نے جو حضرت سے عمر میں بہت بڑے تھے جو کچھ لکھا اس سے حضرت کے مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے لکھا:

”علی میاں بلاشبہ اس کے اہل ہیں، مجھ کو ان سے محبت ہی نہیں بلکہ میرے دل میں ان کی بڑی وقعت ہے، ان کی مثالیں اس دور میں کم ہوں گی، میں نے تو بارہا ان سے کہا ہے۔“

ترادیدہ و یوسف را شنیدہ  
شنیدہ کے بود مانند دیدہ

لیکن میرے ان کے درمیان ایسے عزیزانہ تعلقات ہیں کہ میں ان سے فائدہ نہ اٹھا سکوں گا اور نہ وہ خود اس کے لیے آمادہ ہوں گے، اس لیے میری نگاہ آپ ہی پر پڑی ہے اور اس رہنمائی کا سہرا بھی انہیں کے سر ہے۔“

(تربیۃ السالکین: ص/۲۴۸)

صوفی عبدالرزاق صاحب (ایم اے اناوی ٹیچر ٹریننگ کالج) بسلسلہ

ملازمت شاہ جہاں پور کے ”چمکنی“ نام محلہ میں رہتے تھے، حضرات تکیہ اور حضرت مولانا سے ان کو غیر معمولی عقیدت تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے ایک خط میں تکیہ آنے کی دعوت دیتے ہوئے اقبال کا یہ مصرع لکھ دیا ع

میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

اس شعر کے جواب میں انہوں نے اسی ردیف و قافیہ میں جو نظم لکھی، اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی مقام و مرتبہ اور قلب مزکی و مصفیٰ منور و مجلیٰ کی تصویر مجسم ہو کر نگاہوں میں پھرنے لگتی ہے، فرماتے ہیں ۔

چودھویں کا چاند ہو تم ہو اور جلوہ چاندنی

بوئے انفاس اللہ اللہ جیسے مہکے کا منی

ایک دنیا تم کو کہتی ہے محبت کا دھنی

آؤں بیٹھیں کوئی دم چھاؤں ہے کیسی گھنی

اپنی آنکھوں اپنی ہنسیوں اپنے بیٹھے بول سے

مرنے والوں کو جلا دیتے ہو اللہ غنی

زندگی مجھ کو نہ دیتے لیکن اے جان جہاں

پاؤں ہی سینے پہ رکھ دیتے بوقت جاکنی

روش فردوس وہ تاریک قعرچاہ ہے  
 یوستاں جس کو کردے بھائیوں کی رہزنی  
 تم تو اس گنج شہیداں کو نہ ویرانہ کہو  
 رشک صد معمور ہے ایسے خزانوں کا دھنی  
 اے مری دولت جہاں تم خود ہو بانفس نفس  
 جو اسے ویرانہ کہہ دے میری اس کی دشمنی  
 سرکے بل آؤں گا میں اس مرکز انوار میں  
 میں سیاہی ہوں سراپا تم سراپا روشنی  
 لیکن اے رشک نجوم و غیرت شمس و قمر  
 تم جو آجاتے چمک اٹھتی ہماری چمکنی  
 روح تازہ پھونک دی اس خط نے میرے یک بیک  
 چھا چلی تھی چہرہ صوفی پہ ورنہ مردنی  
 آہ کس کمبخت کے چکر میں صوفی پڑ گیا  
 ٹھوکریں کھلوا رہی ہے مجھ کو دنیائے دنی

حضرت کے انتقال کے بعد جس طرح آن کی آن میں ساری دنیا میں خبر پہنچ گئی اور عالمی پیمانے پر رنج و غم کا نہ صرف اظہار کیا گیا بلکہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی تھی کہ حضرات احناف جن کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے، انہوں نے بھی نماز جنازہ پڑھی اور خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے حرمین شریفین میں نماز جنازہ پڑھنے کا فرمان جاری کیا اور افسوس کا اظہار کیا، کیا عجب کہ حضرت کی روح سے اس وقت یہ صدا آرہی ہو۔

وہ آئے ہیں پشیمان لاش پر اب  
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

(پرانے چراغ جلد: ۲)

### سلوک کی اصل دوح

حضرت والا سلوک کے لیے یہ بہت ضروری سمجھتے تھے کہ اپنے اندر سے 'انا' نکل جائے۔ فرماتے ہیں: "اپنی نااہلی احساس اور اپنے کو سب سے ادنیٰ اور کسی قابل نہ سمجھنا، اس راہ تصوف کی سب سے اونچی بات ہے، اور اسی میں سالک کی حفاظت ہے اور اس کی ترقی کا راز ہے۔

ایک موقع پر مولانا محمد احمد پرتا پگڑھی نے حضرت کے بارے میں اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا:



”محب اپنے محبوب کو چھپاتا ہے اور دل میں رکھتا ہے، علم و ادب کے پردے میں اللہ تعالیٰ نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو چھپا دیا ہے۔“

### بیعت لینے کا طریقہ

حضرت بیعت کے وقت بیعت ہونے والے لوگوں سے جن باتوں کا عہد لیتے تھے وہ درج ذیل ہیں، یہ مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے مضمون ”تعمیر حیات“ کے خاص نمبر سے ماخوذ ہیں، مولانا عبداللہ حسنیؒ کا مضمون اسی موضوع پر ہے اور اس میں حضرت والا کے بیعت و خلافت کا تفصیل سے تذکرہ آ گیا ہے۔

بیعت اس طرح لیتے تھے:

”بسم اللہ الرحمن، لا اِلهَ اِلا اللہ محمد رسول اللہ“.

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں) یا اللہ! ہم توبہ کرتے ہیں کفر سے، شرک سے، بدعت سے، زنا سے، چوری سے، پرایہ مال ناحق کھانے سے، کسی پر بہتان لگانے سے، نماز چھوڑنے سے، جھوٹ بولنے سے اور سب گناہوں سے جو ہم نے اپنی ساری عمر میں کیے، چھوٹے ہوں یا بڑے اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ تیرے سب حکموں کو مانیں گے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کریں گے، اے اللہ! تو ہماری توبہ قبول

فرما، ہمیں توفیق دے نیک عملوں، کی اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تابع داری کی۔ اس کے بعد ہاتھ چھوڑ دیتے اور فرماتے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس دنیا کا خالق ہے اور وہی حاکم و منتظم ہے، اسی نے دنیا کو بنایا اور وہ ہی چلا رہا ہے، اس کے حکم کے بغیر نہ ایک پتہ ہل سکتا ہے، اور نہ کوئی ذرہ اڑ سکتا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی شفا دیتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی ذلت دیتا ہے۔

حضرت بیعت ہونے والوں کے حالات اور مشاغل و صلاحیت کی رعایت فرماتے تھے، بیعت ہونے والوں کے حالات میں بیعت کے بعد غیر معمولی تبدیلی ہو جاتی تھی، یہی وجہ تھی کہ حضرت سے ایسے حضرات بھی بیعت ہوتے تھے جو تصوف کے قائل نہیں تھے، حضرت والا کے مرشد حضرت رائے پوری نے از خود تکیہ کی مسجد سے نکلتے ہوئے بے سان و گمان حضرت سے فرمایا: ”میں آپ کو چاروں سلسلوں بالخصوص حضرت سید صاحب کے سلسلہ میں اجازت دیتا ہوں“۔

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ نے تعمیر حیات ۲۵ ستمبر ۲۰۱۱ء میں اپنے مضمون میں تمام افراد خاندان کے سامنے جس نصیحت یا وصیت کا ذکر کیا ہے وہ نہ صرف تصوف ہے بلکہ دیندار خاندانوں میں زوال کے اسباب کی تاریخ کا خلاصہ بھی ہے جس کو بالخصوص دیندار گھرانے کے بزرگوں کو بہت غور سے پڑھنا چاہیے۔

## حضرت مولانا کی خاص نصیحت بلکہ وصیت

ایک دفعہ حضرت مولانا نے اپنے گھر کے بچوں کو جمع کیا اور افراد خاندان کو جمع کرنے کے بعد فرمایا:

دیکھو! میں نے تم لوگوں کو ایک خاص وجہ سے بلایا ہے، میں تاریخ کا طالب ہوں اور ہر جگہ سے تقریباً واقف ہوں، بڑے بڑے خاندان، اولیاء اللہ اور علماء کے خاندان ختم ہو گئے، ان کی اولاد میں بے دینی آگئی اور اولادیں بگڑ گئیں، دوسرے راستے پر پڑ گئیں، دیکھو! تین باتیں میں تم سے کہتا ہوں، اگر ان پر عمل کرو گے تو ان شاء اللہ تمہارا خاندان چلتا رہے گا اور تمہارے یہاں اچھے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے پھر مولانا نے تین باتیں فرمائیں، وہ تین باتیں حضرت مولانا کے عمل میں تھیں اور اپنے گھر کے بچوں سے عمل کرواتے تھے، اس میں کسی قسم کی کوتاہی حضرت مولانا نہیں ہونے دیتے تھے، ہم لوگوں کے ساتھ بھی مولانا کا یہ معاملہ رہا۔

۱۔ پہلی بات حضرت مولانا نے یہ فرمائی: ”کبھی ظالم نہ بننا، مظلوم بن جانا“ یہ بہت اہم بات ہے۔ ”ظالم نہ بننا مظلوم بن جانا“ تو ان شاء اللہ تم ترقی کرو گے لیکن اگر ظالم بنو گے تو پھر تم ترقی نہیں کر سکتے، وہیں سے تمہارا راستہ بدل دیا جائے گا اور اللہ کی طرف سے پکڑ آئے گی۔

۲- دوسری بات حضرت مولاناؒ نے فرمائی کہ: ”حرام مال سے ہمیشہ بچتے رہنا، مشتبه مال سے بھی بچنا“ یہ مشکل کام ہے لیکن اس سے بھی بچنے کی کوشش کرنا جب جا کر وہ بات پیدا ہوگی۔

۳- تیسری بات یہ فرمائی کہ: ”صلہ رحمی کرتے رہنا چاہیے“ تمہارے رشتہ دار تمہارے ساتھ کچھ بھی کریں، کیسے ہی برا سلوک کریں لیکن تم ان کے ساتھ اچھا سلوک ہمیشہ کرتے رہو اور یہ حضرت مولاناؒ کا معمول تھا، یہ صرف باتیں نہیں ہیں۔

حضرت مولاناؒ کے ایک رشتہ دار تھے، وہ ناراض ہو گئے تھے، حضرت مولاناؒ کے سامنے آ کر انہوں نے بہت برا بھلا کہا لیکن جب وہ جانے لگے تو حضرت مولاناؒ نے ایک لفافے میں سو روپے رکھے اور فرمایا: ”یہ قبول فرمالیجئے“۔  
آخر میں حضرت کی مثالی شخصیت کے ترجمان اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ  
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ



# ضمیمہ

موضوع کی مناسبت سے افادہ عام اور رجوع و انابت کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے خیال آیا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا رحمہ اللہ کے مایہ ناز بڑے بھانجے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے محبوب خلیفہ، صاحب قلب و درد، مصنف ”سوانح یوسفی“ اور ”حیات خلیل“ مولانا سید محمد ثانی حسنی کی پرسوز مناجات پیش کر دی جائے، ملاحظہ کریں:

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

اے خدا مالکِ آسمان و زمیں

صاحب لوح و کرسی و عرش بریں

ذکر تیرا مبارک حیات آفریں

جانفزا، دل کشا، دلکش و دلنشین

پاک تیری صفت پاک تیرا ہے نام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

خالقِ دو جہاں رب کون و مکان  
رحم کرتا ہے تو ہے بڑا مہرباں

جن و انس و ملک تیرے ممت کشاں

تیرے در پر ہی ملتی ہے سب کو اماں

تیری رحمت پہ قائم ہے عالم تمام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

تیرے در کے سوا اور کوئی در نہیں

کوئی تجھ سے بڑا اور برتر نہیں

کوئی تیرا شریک اور ہمسر نہیں

جو جھکے اور کہیں وہ مرا سر نہیں

پاک سب سے ہے تو اے خدائے اناام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

دونوں عالم میں روشن ترا نام ہو

دن بدن ہر طرف غالب اسلام ہو

ہم سے یارب ترے دین کا کام ہو

بہتر آغاز ہو نیک انجام ہو

ساری دنیا میں جاری ہو حق کا نظام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

لحہ لحہ ہر انسان کی خیر کر

ہر نفس ہر مسلمان کی خیر کر

دم بہ دم اہل ایمان کی خیر کر

قلب کی خیر کر جان کی خیر کر

عافیت سے رہیں سب خواص و عوام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

سارے محروم و مظلوم بے گس سقیم

بے سہارا غریب اور بیوہ یتیم

تیری رحمت کے محتاج اے کریم

ان غریبوں پہ فرما تو لطفِ عمیم

جو مسافر ہوں ان کا سفر کر تمام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

تو ہمارے عزیزوں کے دل شاد رکھ

ہر غم و فکر سے ان کو آزاد رکھ

اپنے رحم و کرم سے انہیں یاد رکھ  
خیر و برکت کے ساتھ ان کو آباد رکھ

ہم محلہ کو یارب نہ رکھ تھنہ کام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

رحم والد پہ کر ہر نفس ہر قدم

والدہ پر ہمیشہ کر اپنا کرم

جن پہ قرباں دل و جان کرتے ہیں ہم

جن کے قدموں تلے ملک و جاہ و کھم

ان کو آغوش رحمت میں لے صبح و شام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

ان بزرگوں نے بچپن میں پالا ہمیں

لحہ انہوں نے سنبھالا ہمیں

غم اٹھا کر دکھوں سے نکالا ہمیں

ہر قدم ہر نفس دیکھا بھالا ہمیں

ان بزرگوں پہ یارب کرم کر مدام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام



آل و اولاد کو گھر کی زینت بنا  
تو ہمارے لیے ان کو رحمت بنا

ٹھنڈک آنکھوں کی کر، دل کی راحت بنا

عمر بھر باعث خیر و برکت بنا

تو بنا ہم کو مردان حق کا امام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

تو بچا ان کو فتنوں سے آفات سے

ہر برے کام سے ہر بری بات سے

ان کو محفوظ رکھ تو خرافات سے

ہوں نہ دوچار وہ سخت حالات سے

ہوں نہ گمراہ وہ اور نہ ہوں بے لگام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

اے خدا ہم کو مرد حق آگاہ کر

صاحب عقل و فہم و خود آگاہ کر

راہ دکھلا کے ہم کو نہ گمراہ کر

ہم سے یارب کسی کو نہ بے راہ کر

ہم سے لے زندگی بھر ہدایت کا کام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

ہم کو تو ان میں کر توبہ کرتے ہیں جو

اور دل و جان سے تجھ پہ مرتے ہیں جو

ہم کو تو ان میں کر تجھ سے ڈرتے ہیں جو

تجھ کو شام و سحر یاد کرتے ہیں جو

ہم کریں پیروی رسولِ انام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

ہم کو یارب زبانِ گہمبار دے

ہم کو حسنِ یقین ، حسنِ کردار دے

صدق و اخلاص دے درد و ایثار دے

چشمِ بینا دے اور قلبِ بیدار دے

دے خوشی و مسرت ہمیں صبح و شام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

نور ہے تو، ہمیں نورِ ایمان دے

نور ہے تو، ہمیں نورِ عرفان دے

نور ہے تو، ہمیں نورِ قرآن دے

نور ہے تو، ہمیں نورِ ہر آن دے

نور وہ جس سے روشن ہوں اعضا تمام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

حسن اخلاق دے ، حسن اعمال دے

ہم کو ہوش و خرد دے ڈرومال دے

خیر و برکت ہمیں ہر مہ و سال دے

صحت و عافیت ہم کو ہر حال دے

کر ہمیں نیک خو ، نیک دل، نیک نام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

شکر ہر دم کریں تیرے انعام پر

صبر سے کام لیں رنج و آلام پر

ہم جنیں تو جنیں دین اسلام پر

موت آئے تو آئے ترے نام پر

دین پر ہم کو ثابت قدم رکھ مدام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

عمر و ایمان میں بخش برکت ہمیں

دے شب و روز ذوقِ عبادت ہمیں

کر عطا نیک سے نیک عادت ہمیں  
دے دعا مانگنے کی سعادت ہمیں

ہم کریں خدمت خلق کا اہتمام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

زہد و تقویٰ کی نعمت ہمیں چاہیے

ہر نفس تیری الفت ہمیں چاہیے

نیک کاموں سے رغبت ہمیں چاہیے

دین و دنیا کی عزت ہمیں چاہیے

کر ہمیں صاحب عزم و عالی مقام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

کر سبکدوش تو قرض کے بار سے

فقر و افلاس کی ذلت و عار سے

تو بچا ہر مصیبت سے آزار سے

ہر طرح کی فلاکت سے ادبار سے

ہم مصیبت میں آئیں غریبوں کے کام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

ہم کو محفوظ رکھ بخل و نسیان سے  
کفر و شرک و نفاق اور عصیان سے

جھوٹ ، غیبت ، حسد اور بہتان سے  
سود و رشوت ، غضب اور طغیان سے

ہم بچیں کبر و سستی ریا سے مدام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

نفس و شیطان سے ہم کو محفوظ رکھ

حاسد انسان سے ہم کو محفوظ رکھ

مُؤذی حیوان سے ہم کو محفوظ رکھ

دشمن جان سے ہم کو محفوظ رکھ

تیرے حفظ و امان میں رہیں صبح و شام

تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

تو بچا ہم کو گم یابی مال سے

ضعفِ پیری کے تکلیف دہ حال سے

فتنہ گر شرپسندوں کی ہر چال سے

تو بچا ہم کو تلبیسِ دجال سے

سرکشوں کو الہی نہ کرے لگام  
 تو ہمارے مالک تیرے ہم غلام  
 اے خدا ہر طرف ظلم کا راج ہے  
 جو ہے ظالم وہی صاحب تاج ہے

عدل پامال ہے رحم تاراج ہے  
 بے کسوں پر تشدد روا آج ہے  
 ظلم کرتے ہیں جو ان سے لے انتقام  
 تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام  
 بوجھ ہم پر نہ رکھ جس کی طاقت نہ ہو  
 کام وہ تو نہ لے جس کی ہمت نہ ہو

اس جہاں میں ہماری بری گت نہ ہو  
 غیر کے سامنے ہم کو ذلت نہ ہو  
 ساری دنیا ہمارا کرے احترام  
 تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام  
 ناگہاں کوئی آئے نہ ہم پر بلا  
 غرق ہم کونہ کر آگ میں مت جلا

ہم نہ دب کر مریں زلزلہ تو نہ لا  
 سخت امراض میں کر نہ تو بتلا

دِق ہو یا بَرص یا آکلہ یا جذام  
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

لب پہ کلمہ ہو جاری دم واپس  
دل میں ہو تیرے عفو و کرم کا یقین

وقت ہو جانکنی کا حسین سے حسین  
ہاتفِ غیب ہو لب کشا ”آفریں“

دیں فرشتے ہمیں مغفرت کا پیام  
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

قبر میں روشنی ہو ترے نام سے  
پیش منکر نکیر آئیں اکرام سے

تو بچا قبر میں ہم کو آلام سے  
ہم قیامت تلک سو میں آرام سے

بادِ رحمت کے جھونکے چلیں صبح و شام  
تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

حشر میں کر نہ ہم پر عتاب اے خدا  
تو نہ لے سخت ہم سے حساب اے خدا

تو نہ دے ہم کو کوئی عذاب اے خدا  
ہم پہ کر فتح جنت کا باب اے خدا

آگ دوزخ کی کرہم پہ یارب حرام  
 تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام  
 ہر نفس آب کوثر کا ساغر ملے  
 لذت دید روئے منور ملے

ہم کو جنت میں قرب پیمبر ملے  
 تیرے دیدار کا لطف اکثر ملے  
 سلسبیل اور تسنیم کے بخش جام  
 تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام  
 اے خدا تیرے لطف و کرم پر نثار  
 تیری رحمت پہ ہر ہر قدم پر نثار  
 عرش و کرسی و لوح و قلم پر نثار  
 تیرے محبوب شاہِ امم پر نثار  
 اس مناجات کو کردے مقبول عام  
 تو ہمارا ہے مالک تیرے ہم غلام

☆☆☆☆☆